سیرتِ طیبہؐ

ڈاکٹر صہیب حسن، لندن

دورِ حاضر میں اُمتِ مسلمہ کے مسائل اور حیاتِ طیبہ ﷺ کی روشنی میں اُن کے حل

آج سے ایک سو سال قبل اُمتِ مسلمہ نوآبادیاتی نظام میں جکڑی، بے بسی اور بیچارگی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ آج ۵۷ آزاد ممالک کی شکل میں قوت، عددی اکثریت اور قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود ذلت، عاجزی اور درماندگی میں اسی مقام پر کھڑی ہوئی ہے، جہاں سو سال قبل تھی۔ سقوطِ بیت المقدس (۱۹۶۷ئ) سے شروع ہو کر کابل اور بغداد پر دشمنانِ اسلام کی یلغار مسلمانوں کے لئے ایک تازیانہ ہے۔ آیئے ان اسباب کا جائزہ لیا جائے جو اس ناگفتہ بہ حالت تک پہنچنے کا باعث بنے اور پھر اس رستے کی نشاندہی کی جائے جو اندھیروں کی ان تاریک گلیوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ ہماری بات قرآنِ مجید، سیرتِ مطہرہ اور اقوالِ نبی ﷺ تک محدود رہے گی کہ بروایت حضرت عائشہؓ نبی ﷺ کا اخلاق و کردار دیکھنا ہو تو قرآن کا مطالعہ کرلو۔[1] خود نبی ﷺ نے وحی الٰہی سے رہنمائی حاصل کی اور پھر قیامت تک کے لئے اُمت کے لئے اُسوۂ حسنہ قرار دیئے گئے:

{لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا} (سورۂ احزاب:۲۱)

''یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے۔''

زوالِ اُمت کے اسباب

اُمت کے اسبابِ زوال پر نظر ڈالئے تو ان چند حقائق سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی:

① سنتِ الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت، نبی ﷺ کے فرامین سے روگردانی اور

☆صدر 'القرآن سوسائٹی' لندن؛ سیکرٹری: 'اسلامی شریعت کونسل' برطانیہ؛ رکن سپریم کونسل اسلامک ویلفیئر ٹرسٹ

www.KitaboSunnat.com

گناہوں کی کثرت مصائب کے نزول کا باعث بنتی ہے۔

جنگِ اُحد میں نبی ﷺ بنفس نفیس موجود ہیں، لیکن اس کے باوجود جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ وہ اس لئے کہ نبی ﷺ کے ایک حکم کی مخالفت ہوئی۔ آپ ﷺ نے پہاڑ کے عقب میں ایک گھاٹی پر تیس کے قریب تیر انداز مقرر کئے تھے اور ہدایت کی تھی کہ میدانِ جنگ کا نقشہ کچھ بھی ہو، ہمارے اُوپر جیسے بھی حالات آئیں، تم نے کسی حالت میں اِس گھاٹی سے ہٹنا نہیں ہے۔ جنگ کے آغاز میں جب مسلمانوں کا پلہ بھاری دکھائی دیا تو انہی تیراندازوں میں سے چند حضرات نے اپنے امیر عبداللہ بن جبیر سے مطالبہ کیا کہ انہیں بھی میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت دی جائے تا کہ بھگوڑے کفار کا مال غنیمت ہاتھ میں آئے۔ امیر نے حکم نبویؐ یاد دلایا، لیکن ان جنگجوؤں کی اکثریت پر 'حب ِعاجلہ' غالب رہی۔ جونہی انہوں نے گھاٹی کو چھوڑا، کفار کی طرف سے خالد بن ولید نے اچانک حملہ کردیا۔ بچے کھچے تیر اندازوں کو بآسانی مغلوب کرلیا اور اس طرح آنحضور ﷺ پر عقب سے حملہ کرکے مسلمانوں کی جیتی ہوئی بازی کو شکست میں تبدیل کردیا۔

مسلمان حیران وسراسیمہ ہیں کہ یہ کیسے ہو گیا! جواباً وحی الٰہی میں انہیں یاد دلایا جارہا ہے:

{وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِإِذْنِهِ حَتّٰى إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَاتُحِبُّوْنَ، مِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيْدُ الآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ، وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ}

(آلِ عمران:۱۵۲)

"اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنے وعدہ سچا کردکھایا، جبکہ تم اس کے حکم سے انہیں کاٹ رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے پست ہمتی اختیار کی اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کی، اس کے بعد کہ اس نے تمہاری چاہت کی چیز تمہیں دکھادی۔ تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا اور پھر اس نے تمہیں ان سے پھیر دیا تا کہ تم کو آزمائے اور یقیناً اس نے تمہاری لغزش سے درگزر فرمایا اور ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔"

اور پھر فرمایا: {أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ} (آل عمران:۱۶۵)

"(کیابات ہے) کہ جب تمہیں ایک ایسی تکلیف پہنچی کہ تم اس جیسی دوچند پہنچا چکے تو یہ

www.KitaboSunnat.com

کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آ گئی؟آپ کہہ دیجئے کہ یہ خود تمہاری طرف سے ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اسی سنتِ الٰہی کو سورۃ شوریٰ میں ان الفاظ میں بتایا:

{وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ} (الشوریٰ:۳۰)

''تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے اور وہ تو بہت سی باتوں سے درگزر فرما دیتا ہے۔''

۲ اس بات کا خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں ہے کہ جس کی پاسداری کرنا اس کے لئے ضروری ہو اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے بندوں سے ایسا کوئی غیر مشروط وعدہ کیا ہے جس کی بنا پر ہر حالت میں اللہ پر اُن کی مدد لازم ہو۔ جو بھی وعدہ ہے وہ مشروط ہے: {إِنْ تَنْصُرُوا اللهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ} (سورۃ محمد:۷)

''اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔''

{وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ} (آل عمران:۱۳۹)

''تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایماندار ہو۔''

اور جس آیت سے ایسی مدد کا لازمی آنا سمجھا جا سکتا ہے، وہ بھی ایمان سے مشروط ہے۔

{وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ} (الروم:۴۷)

''ہم پر مؤمنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔''

بلکہ اس بات کو واضح کر دیا کہ ظلم و سرکشی کی بنا پر جو عتاب و عقاب نازل ہوتا ہے تو پھر وہ بلائے عام بن جاتا ہے: {وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً}

''اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص کر انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں۔'' (الانفال:۲۵)

حوادثِ زمانہ کے وقت یہ سنتِ الٰہی بھی پیش نظر رہے جو اکثر لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل رہتی ہے۔

{أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ} (التوبہ:۱۲۶) ''اور کیا ان کو نہیں دکھلائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال ایک بار یا دوبار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں۔ پھر بھی نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔''

© rasailojaraid.com

گویا اللہ تعالیٰ آزمائشوں کے ذریعہ توبہ اور نصیحت و عبرت حاصل کرنے کا موقع عطا کرتے رہتے ہیں، لیکن پھر بھی اگر اصلاحِ احوال کی کوشش نہ کی جائے، بگاڑ کو سدھارا نہ جائے، غلط کار لوگوں کے ہاتھوں کو پکڑا نہ جائے تو پھر بدبختی کا شکوہ کرتے رہنا بجا نہ ہو گا۔

احادیثِ نبویہؐ کی روشنی میں اسبابِ زوالِ اُمت: اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرنے اور بدکاروں کا ہاتھ پکڑنے کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ یہ تمثیل بیان کرتے ہیں۔ نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والوں اور اس میں لاپرواہی برتنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگوں نے سمندری جہاز میں جگہ حاصل کرنے پر قرعہ اندازی کی، کچھ لوگوں کو اُوپر کی منزل (یعنی عرشہ پر) اور کچھ لوگوں کو نچلے حصہ میں جگہ ملی۔ نچلی منزل والے لوگ جب پانی بھرنے کے خواہشمند ہوتے تو اوپر والوں پر سے گزرتے۔ اس پر عرشے والے کہتے ہیں: ہم تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ تم ہمیں برابر تکلیف پہنچاتے رہو، اس پر نچلی منزل والوں نے کہا: کیوں نہ ہم اپنے حصہ میں سوراخ کرلیں اور اوپر والوں کو تکلیف نہ دیں۔ اگر (کشتی کے مسافرین) انہیں اپنے ارادے پر عمل کرنے دیں تو سب کے سب ہلاک ہوجائیں گے، لیکن اگر سب ان کا ہاتھ پکڑلیں تو سب کے سب نجات پائیں گے۔''[۲]

❸ اُمتِ مسلمہ کی زبوں حالی کا ایک نقشہ اس حدیث میں کھینچا گیا ہے جس کے راوی ثوبان ہیں اور جس کے آخر میں وہ سبب بھی بتلا دیا گیا ہے جو اس ذلت و رسوائی کا باعث بنا ہے، آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''عنقریب ایک وقت آئے گا جب دوسری قومیں اکٹھی ہو کر تم پر ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے والے دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ کسی نے پوچھا: کیا ہم اس وقت قلیل تعداد میں ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں تمہاری تعداد تو بہت زیادہ ہو گی لیکن تم سیلاب کے اوپر بہنے والے خس وخاشاک کی مانند ہوگے، اللہ تمہارے دشمن کے سینے سے تمہارا رُعب چھین لے گا اور تمہارے دلوں میں 'وہن' ڈال دے گا۔ پوچھا گیا: اللہ کے رسولؐ یہ 'وہن' کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا کی محبت اور موت (یعنی شہادت) سے نفرت''[۳]

❹ اگر ایک طرف حدیث ثوبانؓ میں اس اُمت کی حالت ضعف کی تصویر کھینچی گئی ہے تو یہی ثوبانؓ اس حدیث کے بھی راوی ہیں جس میں اس اُمت کے عزوافتخار کو بیان کیا گیا ہے،

www.KitaboSunnat.com

لیکن آخر میں ایک ایسی حقیقت بھی بیان کر دی گئی ہے جو اب ایک امر واقعہ بن چکی ہے۔ اس حدیث کے معانی کو ذہن نشین کرنے کے لئے ہم اسے سولہ جملوں کی تقطیع کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

① اللہ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا، یہاں تک کہ میں نے اس کے مشرق و مغرب کو دیکھ لیا۔

② میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کا علاقہ مجھے سمٹ سمٹا کر دکھایا گیا ہے۔

③ اور مجھے دو خزانے دیئے گئے ہیں سرخ و سپید۔

④ اور میں نے اپنی امت کی خیر خواہی کے لئے اپنے ربّ سے مانگا کہ اس امت کو کسی عمومی قحط سے تباہ نہ کیا جائے۔

⑤ اور ان پر انہی کے سوا باہر سے ایسا دشمن مسلط نہ کیا جائے جو انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔

⑥ اور میرے ربّ نے کہا: اے محمدؐ! میں جب کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہوں تو اسے پلٹا نہیں جا سکتا۔

⑦ میں نے تمہاری یہ بات مان لی کہ میں تیری امت کو ایک عمومی قحط سے ہلاک نہ کروں گا۔

⑧ اور یہ کہ میں ان کے سوا (باہر سے) ایسا دشمن ان پر مسلط نہیں کروں گا جو انہیں جڑ سے اُکھاڑ پھینکے، چاہے دنیا کے تمام لوگ ہی ان کے خلاف نہ اُٹھ کھڑے ہوں!!

⑨ البتہ یہ ہو گا کہ یہ آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قیدی بنائیں گے۔ [۴]

⑩ اور میں اپنی اُمت پر گمراہ قسم کے اماموں سے خائف ہوں۔

⑪ اور ایک دفعہ اگر ان پر تلوار چل پڑی تو قیامت تک رفع نہ ہو گی۔

⑫ اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک کہ میری اُمت کا ایک گروہ مشرکین سے نہ مل جائے گا۔

⑬ اور یہاں تک کہ میری امت کے کچھ گروہ بتوں کی پوجا شروع کر دیں گے۔

⑭ اور یہ کہ میری اُمت میں تیس جھوٹے ہوں گے جن میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ میں

© rasailojaraid.com

نبی ہوں۔

⑮ اور میں آخری نبی ہوں، میرے بعد اور کوئی نبی نہیں۔

⑯ اور میری اُمت میں ایک گروہ ہمیشہ رہے گا جو حق پر قائم رہے گا، نصرت اس کے شامل حال ہو گی، انہیں چھوڑ کے بھاگ جانے والے یا ان کی مخالفت کرنے والے، انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا آخری فیصلہ آجائے گا۔ ⑤

آنحضورﷺ کی وفات تک صرف جزیرۂ عرب حلقہ بگوشِ اسلام ہوا تھا اور پھر چودہ صدیوں میں اسلام دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گیا اور چونکہ اسلام کا عروج جاری ہے، اس لئے وہ وہاں وہاں تک پہنچے گا، جہاں ابھی نہیں پہنچا ہے۔

سرخ و سپید خزانے، رومی اور فارسی حکومتوں کا مسلمانوں کی قلمرو میں داخل ہونے کا اشارہ تھا جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پورا ہو گیا اور پھر یہ امت صدہا حوادث کے بعد بھی اسی طرح قائم و دائم ہے، قومِ نوح یا عاد و ثمود کی طرح صفحۂ ہستی سے ناپید نہیں ہوئی اور نہ ہی ماضی کے تاتار، منگول اور صلیبی اپنی تمام تر کوششوں کے بعد اسے ملیامیٹ کر سکے اور نہ ہی حال کے چنگیز اور ہلا کو ان شاء اللہ اس اُمت کا کچھ بگاڑ سکیں گے۔

البتہ ہسپانیہ میں مسلم حکومت کا خاتمہ، دولتِ عثمانیہ کا زوال، عصر حاضر میں صورت حال فلسطین، ایران عراق جنگ اور پھر عراق کی کویت پر یلغار آپس کی خانہ جنگیوں، ناتدبیریوں اور ناعاقبت اندیشیوں کا شاخسانہ ہے جو اہلِ بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔

اس حدیث میں بیان کردہ اکثر پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں اور باقی پوری ہو کر رہیں گی۔

⑤ حدیث ثوبانؓ سے ایک دم اور آگے چلیں تو سورۂ نور میں اس اُمت کے لئے استخلاف فی الارض، تمکین دین اور حالتِ امن کی جو بشارت دی گئی ہے، وہ اسی آیت کے آخر میں دی گئی شرط کے متحقق ہونے پر ماضی میں بھی پوری ہوتی رہی ہے اور مستقبل کے لئے بھی نوید جانفزا کی حیثیت رکھتی ہے:

{وَعَدَ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنكُمْ وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِيْ الأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِیْ ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا، يَعْبُدُوْنَنِیْ لاَ يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُوْلٰئِكَ هُمُ

www.KitaboSunnat.com

الْفَاسِقُوْنَ} (نور:۵۵)

''تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کئے ہیں، اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا، جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کرکے جما دے گا جسے ان کے لئے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف و خطر کو وہ امن و امان سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے،اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں وہ یقینا فاسق ہیں۔''

اس آیت میں عظیم معانی پنہاں ہیں جو عصر حاضر کی تحریکات کے لئے نقشِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن سے صرفِ نظر کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی مدد کو اپنے سے دور کرنا ہے۔

زمین میں خلافت ...... اللہ کا انعام ہے نہ کہ اصل غایت!

(۱) استخلاف في الأرض اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو آیت میں دی گئی شروط کے متحقق ہونے پر لازماً واقع ہوگا، لیکن یہ غایت یا مقصد نہیں ہے۔انسانیت کی غایت وہی ہے جو اس آیت کے آخر میں بتائی گئی ہے اور جسے واضح طور پر اس آیتِ کریمہ میں بتایا گیا ہے:

{وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُوْنِ، مَا أُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَا أُرِيْدُ أَنْ يُّطْعِمُوْنِ، إِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوْ الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ} (الذاریات:۵۶ تا ۵۸)

''میں نے جنات اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں، نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں ، نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں۔ اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں، توانائی والا، زورآور ہے۔''

اس وعدۂ الٰہی کے سب سے پہلے مصداق اللہ کے رسول ﷺ تھے، کہاں مکہ کی سرزمین پر تن تنہا توحیدِ الٰہی کا نعرہ لگانے والا آمنہ کے لالؐ، جس کے خون کے درپے تمام کفارِ مکہ تھے اور کہاں وہ عظمت و سطوت کہ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں تو سارے جزیرۂ عرب پر ان کا جھنڈا سربلند تھا۔ دینِ اسلام گھر گھر داخل ہوچکا تھا اور سرزمین عرب امن کا گہوارہ بن چکی تھی۔

اس کے دوسرے مصداق صحابہ ؓ کی وہ صادق جماعت تھی جنہوں نے خلفاءِ راشدین کی سرپرستی میں دعوتِ حق کو مشرق و مغرب تک پھیلا دیا اور اپنے وقت کی دو عظیم سلطنتوں یعنی روم و فارس کو شکست سے دوچار کیا اور تثلیث مجوسیت کے ویرانوں کو توحید کے خزانے سے مالا مال

www.KitaboSunnat.com

کر دیا۔

یہ اس لئے ممکن ہوسکا کہ یہ جماعت ِحقہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو پھیلانے کے لئے اور شرک کے قلعوں کو مسمار کرنے کے لئے اٹھی تھی۔ ان کے عزمِ صادق، جذبہ وحدانیت اور بندگی ربّ کے سامنے شرک کے آہنی قلعے ریت کی دیوار ثابت ہوئے۔ اور پھر چشم فلک نے بار بار یہ نظارہ دیکھا کہ جب بھی مسلمان خالص اللہ کے بھروسہ پر اعداءِ اسلام کے سامنے کھڑے ہوئے فتح و نصرت ان کی قدم بوسی کرتی رہی۔ اور اس کے شاہد ہیں صلاح الدین ایوبی بمقابلہ صلیبی (معرکہ حطین ۱۱۸۷ئ)، محمد الفاتح بمقابلہ بازنطینی سلطنت (فتح قسطنطنیہ ۱۴۵۱ئ)، احمد شاہ ابدالی بمقابلہ مرہٹے (معرکہ پانی پت ۱۷۶۱ئ) اور بے شمار دوسرے معرکے جو کفر پر حق کی بالادستی قائم کرتے رہے۔

۲ خلافت ِالٰہی کا نفاذ اسلام کے مجموعی نظام کا ایک حصہ تھا نہ کہ غایت، لیکن عصر حاضر کی جن جن تحریکوں نے اسے غایت کے طور پر اپنایا، انہیں کہیں نہ کہیں شرکیات سے صرفِ نظر کرنے یا اس کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ نتیجتاً ع نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم!

ہمارا مدعا واضح ہے کہ غایت کو غایت رکھا جائے اور وعدے کو وعدہ!!

ایک طالب ِعلم کا کام ہے کہ وہ خوب محنت سے پڑھائی کرے، کتابوں کو حرزِ جان بنائے تاکہ امتحان میں پاس ہو، استاد نے اوّل آنے والے کے لئے انعام کا وعدہ کیا ہے، وہ اسے مل کر رہے گا۔ اگر اس نے اس کا استحقاق پیدا کرلیا، لیکن یہ کہ طالب علم نہ پڑھائی کرتا ہے اور نہ ہی امتحان میں پاس ہونے کی تگ و دو، بلکہ اس فکر میں رہتا ہے کہ انعام کو کسی طرح استاد کے ہاتھ سے اُچک لوں، تو شائد دنیا کی حد تک کوئی طالب علم ایسا کر بھی گزر سکتا ہے، گو نیک کام نہیں کہلائے گا، لیکن ربّ العزت کے ہاتھ سے اس انعام کو اچکنے کی طاقت کسی کے ہاتھ میں نہ تھی اور نہ ہو گی۔

غرض وحدانیت ِباری تعالیٰ اور عبودیت ِحقہ کے ساتھ جب بھی اللہ کی راہ میں جہاد کیا جائے گا تو موانع کی عدم موجودگی میں یقینا وعدۂ الٰہی پورا ہو گا۔ ان موانع کا تذکرہ بعد میں آرہا ہے۔ اس سلسلہ کی ایک روشن مثال دو سو سال قبل شروع ہونے والی شیخ محمد بن عبدالوہاب (ف ۱۷۹۲ئ/ ۱۲۰۶ھ) کی اصلاحی اور تجدیدی تحریک ہے جو خالص توحیدِ الٰہی کا

© rasailojaraid.com

بول بالا کرنے اور شرکیات کی بیخ کنی کے لئے شروع کی گئی تھی اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس تحریک کو وہ نصرت اور کامیابی عطا کی کہ دو سو سال گزرنے کے باوجود اس تحریک کے بابرکت اثرات سعودی عرب میں دیکھے جاسکتے ہیں جن میں امن و امان کا قیام اور تمکین دین (یعنی شریعت کا نفاذ) سرفہرست ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ انعام اس وقت تک جاری رہے گا جب تک توحیدِ باری تعالیٰ اور دینِ خالص کی پاسداری جاری رہے گی۔ آیت ِاستخلاف کے ساتھ ساتھ نبی ﷺ کی یہ بشارت بروایتِ اُبی بن کعب ؓ بھی ملاحظہ رہے:

«بشر هذه الأمة بالسناء و الرفعة و الدين و النصر و التمكين في الأرض فمن عمل منهم عمل الآخرة للدنيا لم يكن له في الآخرة نصيب»

''اس اُمت کو رفعت و عالی مراتب کی، دین اور فتح و نصرت کی اور زمین میں متمکن ہونے کی بشارت دے دو، لیکن ان میں سے جو شخص آخرت کا عمل دنیا کی خاطر کرے گا تو آخرت میں کوئی حصہ نہ پاسکے گا۔''[۶]

خلافت فی الارض کا جواز اور سیرتِ طیبہ ﷺ

ان تمہیدی گذارشات کے بعد آیئے ان عوامل کا جائزہ لیا جائے جو عہد ِرسول ﷺ میں بھی مسلمانوں کے لئے باعثِ فتح و کامرانی اور تمكين في الأرض ہوئے تھے اور بعد کے ادوار میں بھی ان کے لئے سرمایۂ افتخار رہے اور جن کی پابندی آج بھی اُمتِ مسلمہ کے لئے باعث نجات ہوسکتی ہے۔ اختصار کے ساتھ یہ چار عوامل ہیں:

❁ ایمان بحیثیتِ بنیاد ❁ فراہمی قوت ❁ صفوں کی شیرازہ بندی ❁ اور جہاد

- ایمان: عقیدہ، عبادت، صالح معاشرہ کے قیام اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو شامل ہے۔
- قوت میں سائنس، ٹیکنالوجی اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق آلاتِ حرب کا حصول شامل ہے۔
- صفوں کی شیرازی بندی میں داخلی اتحاد، تفرقہ بازی اور انتشار فکری کا قلع قمع اور خارجی وحدت شامل ہے۔
- جہاد میں جہاد دعوت الیٰ اللہ اور جہاد بمعنی قتال شامل ہیں۔

گویا تفصیلی طور پر یہ دس عوامل ہوئے جن پر اب مفصل کلام کیا جاتا ہے:

© rasailojarayd.com

① عقیدہ کی درستگی اور پختگی

کسی بھی تحریک کی اصل بنیاد وہ عقیدہ ہے جس پر اس تحریک کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ مشرکین عرب کا یہ عقیدہ کہ {مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيٰى وَمَا يُهْلِكُنَا إِلاَّ الدَّهْرُ} ''ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی زندگی ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے۔'' (سورۃ الجاثیہ:۲۴) ان کے سارے تصرفات، جنگ و جدال اور معاملات پر حاوی تھا۔ گویا کہ ع بابر بعیش کوش کے عالم دوبارہ نیست!

ان کے نزدیک زندگی ایک درخت کی مانند ہے جو کہ کونپل کی شکل میں زمین سے پھوٹتا ہے، پودے کی شکل اختیار کرتا ہے پھر تناآور درخت بن جاتا ہے، برگ وبار پیدا کرتا ہے، پھلدار ہو تو عالم کو فیض یاب کرتا ہے، گھنا ہو تو سایہ دار رہتا ہے، بہار میں جانفزا اور خوشنما، خزاں اس کی ناتواں اور بے مزا، تنا اس کا مضبوط ہو تو آندھیوں اور طوفانوں کے تھپیڑوں میں بھی ٹکا رہتا ہے، لیکن کب تلک! مرورِ ایام سے ایک وقت آتا ہے کہ اس کے پتے سوکھ جاتے ہیں، زندگی کے سوتے خشک ہوجاتے ہیں، اور پھر ہلکا سا ایک جھٹکا اسے زمین بوس کردیتا ہے، اس کی حیات و موت گردشِ زمانہ کے تابع ہے، نہ اس میں ثواب کا دخل، نہ عقاب کا عمل، نہ ہی رضائے الٰہی کا ظہور اور نہ ہی عذابِ سماوی کا کوئی دستور۔ انہیں انسانی زندگی اور نباتاتی دنیا میں طبعی اصولوں کا اشتراک تو نظر آیا، لیکن وہ ان اخلاقی اُصولوں سے صرفِ نظر کرگئے جس کی وجہ سے ایک مسلم اور دہریے میں امتیاز قائم ہوتا ہے۔

کفار کے تصورِ زندگی کے برعکس قرآن نے واشگاف اعلان کیا کہ دنیا کے اس اسٹیج پر کتنی ہی قومیں آئیں، زمانہ ان کے لئے صرف ایک جام کی مانند تھا۔ بطورِ ساقی یہ ان کا کام تھا کہ اسے پانی سے بھر دیتے اور عالم کی پیاس کا مداوا کرتے، دودھ سے بھر دیتے اور نیک نام کہلاتے یا پھر یہ جام نبتِ عنب کی نذر کردیتے اور عالم مخمور ہوجاتا یا زہر سے بھر دیتے کہ ہر طرف ہلاکت کا دور دورہ ہوتا۔

{وَالْعَصْرِ، إِنَّ الإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ} (سورۃ العصر)

''زمانے کی قسم، بے شک انسان سرتاسر نقصان میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان

لائے اور نیک عمل کئے اور جنہوں نے آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔''

اس اُصول کے تحت قومِ نوح کی غرقابی، عاد و ثمود اور قومِ لوط کی ہلاکت اور قومِ فرعون کا دریا برد ہونا مرورِ زمانہ کی وجہ سے نہیں، بلکہ خالق ارض و سماء کے احکامات کی خلاف ورزی کی بنا پر تھا۔ نبی ﷺ نے بزبانِ قرآن واضح کردیا کہ امن و امان کا قیام عقیدۂ توحید سے وابستہ ہے، شرک یا مظاہر شرک سے نہیں......!

{اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُوْلٰئِکَ لَهُمُ الأَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ}

''جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔'' (الانعام:۸۲)

'ظلم' ذو معنی لفظ ہے، اس لئے آنحضور ﷺ نے سوال کئے جانے پر واضح کردیا کہ ظلم سے مراد شرک ہے۔آپ ﷺ نے بطورِ استشہاد یہ آیت پڑھی:

{إِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ} ''بے شک شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔'' (لقمان:۱۳)

ایک اللہ کو پکارنا انسانی فطرت کی پکار ہے تو غیر اللہ کو پکارنا فطرت سے بغاوت ہے۔ عکرمہؓ بن ابی جہل کا اسلام لانا انسانی فطرت کے اسی پہلو کا آشکارا ہونا تھا۔ فتح مکہ کے وقت عکرمہ کا نام ان آٹھ اشخاص میں شامل تھا جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا تھا کہ اگر وہ کعبہ کے پردوں سے لٹکے ہوئے بھی پائیں جائیں تو ان کی جان بخشی نہ کی جائے، عکرمہ ساحل سمندر کی طرف بھاگا اور پھر اس پہلی کشتی میں سوار ہوگیا جو عازمِ حبشہ تھی۔ اس کشتی میں بہت سے مشرکین عرب بھی سوار تھے، کشتی سمندر کے سینہ پر خراماں اٹھکیلیاں کرتی رواں دواں تھی کہ سمندر کی موجیں طوفان بن کر کشتی سے ٹکرا گئیں۔ عکرمہ نے دیکھا کہ یہی عرب جو لات، ہبل، مناف کو پکارتے نہ تھکتے تھے، اب اللہ کے نام کی دہائی دے رہے تھے، وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے:

''اخلصوا فإن آلھتکم لا تغني عنکم شيئا ھھنا''

''خلوصِ دل سے دعا کرو کہ تمہارے خدا اس مقام پر تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتے۔''

اس وقت عکرمہ نے کہا: ''اللہ کی قسم! اگر سمندر میں صرف اخلاص ہی بچا سکتا ہے تو پھر خشکی میں بھی وہی بچا سکتا ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے اس مصیبت

© rasaliqjarad.com

سے چھٹکارا دے دیا تو میں سیدھا محمد ﷺ کے پاس جاؤں گا اور ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں گا اور وہ یقیناً مجھے معاف کر دیں گے۔''

اور پھر ایسا ہی ہوا اور وہ آنحضور ﷺ کے پاس گئے اور مسلمان ہو گئے۔''[۷]

عکرمہ پر گزرنے والے تجربہ کو قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

{هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰی إِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّظَنُّوْا أَنَّهُمْ أُحِیْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ، لَئِنْ أَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشَّاکِرِیْنَ} (یونس : ۲۲)

''وہ اللہ ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں چلاتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان سے خوش ہوتے ہیں۔ ان پر ایک جھونکا سخت ہوا کا آتا ہے اور ہر طرف سے ان پر موجیں اٹھتی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ (بُرے) آ گھرے، اس وقت سب خالص اعتقاد کرکے اللہ ہی کو پکارتے ہیں کہ اگر تو ہم کو اس سے بچالے تو ہم ضرور شکر گزار بن جائیں گے۔''

{فَلَمَّا أَنْجٰهُمْ إِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْأَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ، یَآأَیُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْیُکُمْ عَلٰی أَنْفُسِکُمْ، مَتَاعُ الْحَیَاةِ الدُّنْیَا ثُمَّ إِلَیْنَا مَرْجِعُکُمْ فَنُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ}

''پھر جب اللہ ان کو بچالیتا ہے تو فوراً ہی وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! یہ تمہاری سرکشی تمہارے لئے وبال ہونے والی ہے۔ دنیاوی زندگی کے (چند) فائدے ہیں، پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے، پھر ہم سب تمہارا کیا ہوا تم کو بتلادیں گے۔'' (یونس:۲۳)

۲ عبادتِ الٰہی بجالانا

ایک مسلمان معاشرہ جو اللہ تعالیٰ کی نصرت واعانت کا مستحق ہے، وہ معاشرہ ہے جو عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کرتا ہے۔ عبادت کا مفہوم صرف پنج وقتہ نماز، روزے، زکوٰۃ اور حج کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اس میں نماز کی تمام ہیئات جیسے ہاتھ باندھ کر قیام، رکوع اور سجود، دعا، ماورا الاسباب استعانت اور استغاثہ، قسم، نذر اور قربانی بھی شامل ہیں۔ اعمالِ قلبیہ میں سے خشیت، رہبت، خوف، تقویٰ، اُمید و رجا کا تعلق بھی عبادت سے ہے۔ اسلام کے ارکانِ خمسہ کو تو ہر مسلمان بخوبی سمجھتا ہے اور اللہ ہی کے لئے ادا کرتا ہے، لیکن عبادت کے باقی

www.KitaboSunnat.com

مظاہر میں ڈنڈی مارنے والوں کی عظیم اکثریت ہے۔

◉ ایسا قیام جو ایک مقتدا یا پیشوا کے احترام کے لئے ہو، ناجائز قرار دیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «لاتقوموا إليّ كما يقوم الأعاجم لملوكهم»[8]

''میرے لئے اسطرح کھڑے نہ رہو جیسے عجمی اپنے بادشاہوں کیلئے کھڑے ہوتے ہیں۔''

سلام کرتے وقت رکوع کی حد تک جھک جانا، پارلیمنٹ کے ایوان میں ایک ممبر کا اسپیکر کے سامنے جھکنا، رکوع سے مشابہت کی بنا پر ممنوع قرار پایا۔ کسی مخلوق کے لئے پیشانی زمین پر رکھنا اللہ تعالیٰ کے حق سجود کی حق تلفی ہے۔

◉ «استعينوا على إنجاح الحوائج بكتمانها فإن كل ذى نعمة محسود»[9]

''اپنی حاجات پوری کرنے کے لئے راز داری کے ساتھ ایک دوسرے سے مدد چاہو، کیونکہ جس پر نعمت ہو، اس سے حسد کیا جاتا ہے۔''☆

کہہ کر اسباب کی حد تک ایک دوسرے سے مدد طلب کرنے کی اجازت دے دی۔اور {إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ} کے واضح اعلان کے ساتھ ماوراالاسباب استعانت بغیراللہ کی نفی کردی۔

◉ {فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهِ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهِ} ''اس کی قوم والے نے اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا (موسیٰؑ) سے فریاد کی۔'' (القصص:۱۵) کا بیان موجود و حاضر شخص سے مدد کی درخواست کو شرفِ قبولیت عطا کر گیا اور بدر کی رات آنحضور ﷺ کا اللہ تعالیٰ سے استغاثہ بفحوائے آیت قرآنی {إِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلاَئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ} ''اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے ربّ سے فریاد کررہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو لگاتار چلے آئیں گے۔'' (الانفال:۹) یہ بتاتا چلا گیا کہ ماوراءالاسباب استغاثہ صرف اللہ کی ذات سے کیا جاسکتا ہے۔ لاریب کہ آنحضور ﷺ نے معرکہ بدر کے لئے مادّی اسباب مہیا کرنے، اپنے جانثاروں کو مدینہ سے بدر تک لے آنے کے بعد اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلا کر اس مدد کو چاہا تھا جس پر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات قادر ہے۔

◉ قسم اُٹھانے کو بھی اللہ کے ساتھ خاص کر دیا۔ فرمایا: «من كان حالفا فليحلف بالله أو ليصمت»[10] ''جس نے قسم کھانی ہو تو اللہ کے نام کی قسم کھائے، ورنہ خاموش رہے۔''

☆ یہ روایت ضعیف اور موضوع ہے۔ كمافي الضعفاء للعقيلي واللآلي المصنوعة للسيوطى (محدث)

www.KitaboSunnat.com
© rasaloijarad.com

⦿ نذر کو بھی اللہ کے لئے خاص کر دیا۔ فرمایا:

«من نذر أن یطیع اللہ فلیطعه و من نذر أن یعصی اللہ فلا یعصه» [11]

''جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی تو پھر وہ اللہ کی اطاعت کرے (یعنی نذر پوری کرے) اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی نذر مانی تو پھر وہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔''

⦿ قربانی کا تذکرہ نماز کے ساتھ کرکے کوئی ابہام نہیں رہنے دیا گیا:

{فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ} ''اپنے ربّ کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر'' (سورۃ الکوثر)

اور اعمالِ قلبیہ میں سے در بارے خشیت: {لاَ یَخْشَوْنَ أحَدًا اِلاَّ اللہ} ''سوائے اللہ کے اور کسی سے نہیں ڈرتے'' اور در بارے خوف: {فَلاَ تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِيْ إنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ} ''ان سے مت خوف کھاؤ، مجھ سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو'' اور بابت رہبت و تقویٰ: {وإیَّايَ فَارْهَبُوْنِ... وَإیَّايَ فَاتَّقُوْنِ} اور بابتِ امید و رجا: {یَرْجُوْنَ رَحْمَتِهِ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهُ} ''اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔'' کہہ کر اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق کی کیفیت کو ظاہر کر دیا۔

⦿ دین کے اصولوں میں مداہنت (کچھ لو، کچھ دو) کا دروازہ بالکل بند کر دیا۔

{وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَیُدْهِنُوْنَ} (القلم:۹)

''وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔''

عبدیالیل کی قیادت میں جب وفد ثقیف مدینہ پہنچا تو انہیں مسجد میں ٹھہرایا گیا تاکہ وہ اسلام کو قریب سے دیکھ سکیں۔ اب جبکہ سارا عرب جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہا تھا، ثقیف کے عمائدین بھی اسلام کی حقانیت کے قائل ہوتے جا رہے تھے لیکن ثقیف کا سردار عبدیالیل دین کی پابندیوں کو گراں سمجھتے ہوئے چند رخصتوں کا متلاشی تھا۔ اس نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا:

''طائف کی سب سے بڑی پیداوار انگور ہے جس کا سب سے بارآور مصرف شراب کی کشید ہے، اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ آنحضور ﷺ نے جواباً اللہ کا فرمان سنایا:

{یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا إنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالأَنْصَابُ وَالأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ} (المائدہ:۹۰)

''اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب، جوا، تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے

© rasailojaraid.com

تیر یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں۔ ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو۔"

پھر پوچھتا ہے: ہم سودی لین دین کرتے ہیں جو کہ ہماری تجارت کا حصہ ہے؟

آپؐ نے پھر فرمان الٰہی پڑھا: {وَأحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا} "اور اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام کر دیا ہے۔" (البقرہ:۲۷۵) پھر سوال کرتا ہے: ہم مہینوں جنگی مہمات میں گھروں سے باہر رہتے ہیں، کیا غیر عورتوں کے ساتھ تعلق کی اجازت ہو گی؟ آپ ﷺ نے آیتِ کریمہ کی تلاوت فرمائی:

{وَلاَتَقْرَبُوْا الزِّنَا إنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ سَبِيْلاً} (بنی اسرائیل:۳۲)

"خبردار زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا، کیونکہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی بُری راہ ہے۔"

آخری بات پوچھتا ہے: یہ پنج وقتہ نماز تو کوہِ گراں ہے، اسی میں تخفیف کر دیں؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا: «لا خير في دين ليس فيه ركوع» "اس دین میں بھلا کیا بھلائی ہے جس میں جھکنا نہ ہو۔" دین کے اصولوں میں مصالحت کی نفی فرما دی۔ اہل ثقیف مسلمان ہوگئے لیکن اپنے پُرانے معبود 'لات' کا ڈر اب بھی دلوں میں جا گزیں تھا، کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اس بت کو چند ماہ اور نہ ڈھائیں!! لیکن آنحضور ﷺ نے یہ درخواست بھی نامنظور کی، اس مقصد کے لئے مغیرہ بن شعبہ ؓ کو طائف بھیجا۔ جب لات پر وار کرنے کے لئے وہ بڑھ رہے تھے تو اہل طائف انبوہ در انبوہ جمع ہو چکے تھے۔ انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ ان کے معبود کا بال بھی بیکا ہو سکتا ہے۔ مغیرہ دوڑتے آئے تو پھسل کر گر پڑے، اہل طائف تو حیرت سے چیخ اٹھے، مغیرہ نے دوبارہ کلہاڑا اُٹھایا اور پھر بت کو اس کی بنیادوں سے اکھاڑ پھینکا کہ شرک ببول کی مانند ہے، اس کانٹے دار درخت کو اکھاڑنا ہے تو پھر جڑ سے اکھاڑنا ہی دانشمندی ہے۔[۱۲]

نبی ﷺ نے جب حضرت علیؓ کو ایک دعوتی مشن پر بھیجا تو حکم دے دیا کہ "کوئی بھی مجسمہ نظر آئے تو اسے مٹا دو اور کوئی بھی اونچی قبر نظر آئے تو اسے برابر کر دو۔"[۱۳] گویا شرک کے چور دروازوں کو بند کرنے کا راستہ دکھا دیا۔

③ صالح معاشرہ کا قیام

گو اس دنیا میں خیر و شر آپس میں ملے ہوئے ہیں، حق و باطل کا ٹکراؤ رہتا ہے، لیکن جماعتِ حقہ کا فرض ہے کہ وہ خیر کو غالب رکھے اور شرک کی بیخ کنی کرے۔ مسلمان جہاں کہیں

© rasailojaraid.com

بھی رہائش پذیر ہوں، مسجد ان کا مرکز و محور ٹھہرے۔آنحضور ﷺ نے مسجد کے قیام سے مدینہ کی زندگی کا آغاز کیا اور مسلمان جہاں کہیں گئے، اس سنتِ نبویؐ کی پاسداری کرتے رہے۔

مسجد کا قائم کرنا اقامتِ صلوٰۃ کی راہ ہموار کرتا ہے، مسلمانوں کے اجتماعی نظم کی بنیاد رکھتا ہے، اطاعتِ امیر کا جذبہ پیدا کرتا ہے، مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے، مسلمان گھرانوں میں اُلفت و محبت، ہمدردی اور غم خواری کے خوابیدہ سوتوں کو بیدار کرتا ہے۔

مکہ میں قائم عبادت کے پہلے گھر کو بیت اللہ کہا گیا اور اس نسبت سے ہر مسجد اللہ کی طرف منسوب ہوئی: {فِيْ بُيُوْتٍ أَذِنَ اللهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ} ''ان گھروں میں جن کے بلند کرنے اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔''

ان گھروں کو آباد کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے خود تحسین فرمائی:

{يُسَبِّحُ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالآصَالِ رِجَالٌ لاَّ تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلاَ بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَإِقَامَ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالأَبْصَارُ}

''وہاں صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی، اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں اُلٹ پلٹ ہو جائیں گی۔''

اور پھر ان کے لئے اجر جزیل کا مژدہ سنایا:

{لِيَجْزِيَهُمُ اللهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَاللهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ} (النور:۳۶ تا ۳۸) ''تاکہ اللہ ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے بلکہ اپنے فضل سے اور کچھ زیادہ عطا فرمائے اور اللہ جسے چاہے بے شمار رزق عطا کرتا ہے۔''

ایک صالح معاشرہ کی علامت مسجدوں کا آباد ہونا اور حکامِ مملکت سے لے کر ادنیٰ چپڑاسی تک کا مسجد سے تعلق رکھنا ہے۔ اس تعلق میں جہاں کمی آئے گی وہاں اللہ کی رحمت دور ہوتی چلی جائے گی۔

اُمتِ مسلمہ کے لئے نماز کی پابندی اور مسجدوں کی حاضری وہ پیمانہ ہے جس سے رضائے الٰہی اور قربتِ خداوندی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ افسوس ہے اس پیمانہ سے نظریں چرائی جاتی ہیں۔ ناکامی کے اسباب گنوائے جاتے ہیں لیکن اس سببِ اعظم کا ادراک نہیں کیا جاتا۔

www.KitaboSunnat.com

۴ نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا

مسلم معاشرہ کے لئے خیر کا غلبہ لازمی ہے، فساق و فجار لوگ ہر دور میں پائے جاتے رہے ہیں اور ان کی موجودگی کے باوجود بھی مسلمانوں نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کی ہیں۔ گویا فسق و فجور کے باوجود اللہ کی رحمت و نصرت نازل ہوتی رہی ہے اور اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں میں **امر بالمعروف** اور **نہی عن المنکر** کا احساس باقی رہا ہے:

{وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللهُ إِنَّ اللهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ} (التوبہ:۷۱)

''مؤمن مرد و عورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار و معاون اور) دوست ہیں۔ وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ نمازوں کو پابندی سے بجالاتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا، بے شک اللہ غلبے والا حکمت والا ہے۔''

اس اُمت کو خیر امت کا لقب ان تین اوصاف کی بنا پر دیا گیا: **أمر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ**۔ فرمایا:

{كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ} (آلِ عمران:۱۱۰) ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم دیتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔''

''اہل کتاب ایک دوسرے کو بُرائی سے نہیں روکتے تھے۔'' (المائدہ:۷۹) اس لئے ان کی اکثریت فاسق کہلائی:

{وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُوْنَ}

''اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر تھا۔ ان میں ایمان لانے والے بھی ہیں لیکن اکثر تو فاسق ہیں۔'' (آل عمران:۱۱۰)

سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۱۶، ۲۶ اور ۲۷ میں بھی ان کی اکثریت کو فاسق بتایا گیا۔

اگر اہل کتاب کا فسق وفجور انہیں اللہ کے آخری پیغام کا حامل بننے کی راہ میں حائل ہو گیا تو خیر اُمت کو بھی اپنی خیر منانی چاہیے، کہیں فسق وفجور کی کثرت تو انہیں، نہیں لے ڈوبی ہے!!

مُنکر ان تمام چیزوں کا نام ہے جن سے ایک نیک فطرت اِبا کرتی ہے، چاہے وہ ناانصافی ہو، رشوت کا چال چلن ہو، آرٹ اور فن کے نام پر بے حیائی اور فحاشی کی ترویج ہو، مے خانہ ہو یا قحبہ خانہ، مرکزِ قمار ہو یا ریس کورس، مردوزن کے لئے بے محابا اختلاط کے کلب ہوں یا رقص گاہیں، فطرتِ اسلام ان سب سے اِبا کرتی ہے اور اگر ان منکرات کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہو اور عوام الناس کی آشیرباد تو پھر ایسی سلطنت اپنے فسق کی بنا پر ہلاک کر دی جاتی ہے:

{وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا} (بنی اسرائیل:۱۶)

''اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو وہاں کے خوشحال لوگوں کو (کچھ) حکم دیتے ہیں اور وہ اس بستی میں کھلی نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو ان پر (عذاب کی) بات ثابت ہو جاتی ہے اور پھر ہم اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔''

اور بعض دفعہ ظالموں کو دوسرے ظالموں کے ہاتھ ہی تباہ کر دیا جاتا ہے:

{وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ} (الانعام:۱۲۹)

''اور اس طرح ہم بعض ظالموں کو دوسرے ظالموں کے پیچھے لگا دیتے ہیں، ان کے اپنے اعمال کے سبب۔''

اور اسی سنتِ الٰہی کے تحت ظالم واشنگٹن کو ظالم عراق سے ٹکرا دیا گیا۔ حقیقی ایمان سے دونوں محروم تھے، اس لئے ایک زورآور طاقت کمزور طاقت پر غلبہ پا گئی جبکہ اہل ایمان کو باوجود قلتِ تعداد کے اللہ تعالیٰ غلبہ عطا کرتا ہے:

{كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ} (البقرہ:۲۴۹)

''بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پا لیتی ہیں۔''

۵ قوت اور طاقت کی فراہمی

اہل ایمان کو دشمنانِ اسلام سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور قوت فراہم کرنے کا پابند کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں سورۃ الحدید اور سورۃ الانفال کی دو آیات اہل سلام کے لئے مشعل راہ ہیں:

www.KitaboSunnat.com

© rasaliojaraid.com

{لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ، إِنَّ اللهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ} (الحدید:۲۵)

''یقینا ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت ہیبت اور قوت ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی (بہت سے) فائدے ہیں اور اس لئے بھی کہ اللہ جان لے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد بے دیکھے کون کرتا ہے۔ بے شک اللہ قوت والا اور زبردست ہے۔''

شیخ عبدالرحمن بن ناصر سعدیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی قوت اور اعتزاز کا ایک مظہر یہ ہے کہ اس نے لوہے کو اتارا کہ جس سے مضبوط آلات بنائے جاتے ہیں۔ اس کی قوت اور اعتزاز کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے پر قادر ہے، لیکن وہ اپنے اولیا کو اپنے دشمنوں کے ساتھ بھڑا دیتا ہے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ عالم غیب (یعنی اس دنیا میں) کون اس کی نصرت کرتا ہے۔

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اور لوہے کا ساتھ ساتھ ذکر کیا کیونکہ ان دونوں چیزوں کے ساتھ اللہ اپنے دین کی مدد کرتا ہے اور اپنے کلمہ کو بلند کرتا ہے، کتاب کے ساتھ کہ جو حجت اور برہان پر مشتمل ہے اور تلوار کے ساتھ جو اللہ کے اذن کے ساتھ نصرت لے کر آتی ہے۔

ان دونوں کا قیام عدل وانصاف کے ساتھ ہی ممکن ہے کہ جو باری تعالیٰ کی حکمت، کاملیت اور اسکے رسولوں کے ذریعہ بھیجی گئی شریعت کے کمال پر ایک دلیل کی حیثیت رکھتی ہے۔''[۱۴]

اس سلسلہ کی دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

{وَأَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لاَ تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْئٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لاَ تُظْلَمُوْنَ} (الانفال:۶۰)

''تم ان کے مقابلے کے لئے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کو تیار رکھنے کی، کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے سوا اوروں کو بھی، جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں خوب جان رہا ہے۔ جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں صرف کروگے وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا۔''

① یہ نہیں کہا گیا کہ اتنی قوت فراہم کرو جتنی اعداءِ اسلام کے پاس ہے، بلکہ اتنی جتنی کہ تم استطاعت رکھتے ہو۔ اس میں افرادی قوت بھی آجاتی ہے اور آلاتِ حرب بھی۔

② 'قوت' کا بیان کرتے ہوئے آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ألا إن القوة الرمي، ألا إن القوة الرمي ''تیری اندازی ہی قوت ہے، سنو! تیر اندازی ہی قوت ہے۔''[15]

یعنی زمانۂ نبوت میں جو قدرت رائج تھی آپؐ نے اس کا تذکرہ فرمایا۔ بعد کے ادوار میں مسلمانوں نے منجنیق، گولہ بارود اور دیگر آلاتِ حرب کو بھی استعمال کیا، اور اس کا یہ مطلب ہوا کہ موجودہ دور میں جو چیز عسکری لحاظ سے ایک قوم کو تقویت بہم پہنچاتی ہے، وہی قوت ہے۔ چاہے وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی شکل میں ہو، ایٹمی طاقت کے حصول میں ہو، لڑاکا طیاروں، جنگی بیڑوں اور آبدوزوں کا روپ رکھتی ہو، ٹینکوں، آرمرڈ گاڑیوں، میزائلوں کی صورت رکھتی ہو، ان سب کا حصول ضروری ہے!!

③ رباط الخیل (گھوڑوں کے دستوں) کے تیار کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں اگر گھوڑے عسکری نقل و حرکت کے لئے استعمال ہوتے تھے تو آج ہر وہ گاڑی (جس کے انجن کی طاقت کو اب بھی ہارس پاور کی اصطلاح میں بیان کیا جاتا ہے) جو اس مقصد کے لئے استعمال ہو اور جس کی پیٹھ پر جنگ میں حصہ لیا جاسکے، رباط الخیل کے حکم میں ہے یعنی قوت کی فراہمی کے ساتھ اس قوت کے استعمال میں مددگار آلات دونوں مطلوب ہیں۔

④ قوت کی فراہمی دورِ امن میں بھی مطلوب ہے تاکہ دشمن پر دھاک بٹھائی جاسکے، دشمن کی تیاریوں سے غافل رہنا اور پھر اچانک حملے کی صورت میں سراسیمگی کا شکار ہو جانا ایک مسلمان کے شایانِ شان نہیں ہے۔

نبی ﷺ کا رومیوں کے متوقع حملہ کی پیش بندی کے لئے خود بنفس نفیس لشکرِ اسلام کے ساتھ تبوک جانا اسی مقصد کی خاطر تھا۔ آپ ﷺ کا مملکتِ اسلام کی سرحدوں تک جانا دشمن کے لئے ہمت شکن ثابت ہوا اور انہیں حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

⑤ قوت کی فراہمی میں جو کچھ خرچ کیا جائے گا، فی سبیل اللہ کے حکم میں ہے جس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

www.KitaboSunnat.com

ان متذکرہ باتوں کے علاوہ دشمن کے مقابلہ میں عددی قوت اور قوتِ حربیہ کے ضمن میں سورۃ الانفال کی چند مزید آیات پیش نظر رہیں:

{يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوْا أَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لاَّ يَفْقَهُوْنَ} (الانفال:٦٥)

''اے نبیؐ! ایمان والوں کو جہاد کا شوق دلاؤ۔ اگر تم میں بیس بھی صبر کرنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں ایک سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے۔ اس واسطے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں۔''

چونکہ قتال سے بھاگنا ان سات کبیرہ گناہوں میں سے ہے جن کے بارے میں سخت وعید آئی ہے۔[۱۶] اس لئے بتادیا گیا کہ دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدمی کی حد کیا ہے۔ یہ آیات شروع اسلام کی ہیں جب ایمانی طاقت اپنے عروج پر تھی اور مسلمان تعداد کے اعتبار سے قلیل تھے، اس لئے دس گنا دشمن کے مقابلے میں ہٹنے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ مردانہ وار مقابلہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ بعد میں جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو اس حکم میں تخفیف کردی گئی:

{اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ أَلْفٌ يَّغْلِبُوْا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللهِ وَاللهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ} (الانفال:٦٦)

''اچھا اب اللہ تمہارا بوجھ ہلکا کرتا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں ناتوانی ہے، پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

یعنی اگر دشمن دگنی تعداد میں ہو تو اس کا مقابلہ فرض ہے۔ راہِ فرار اختیار کرنا جائز نہیں۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی متذکرہ بالا تعداد صبر (ثابت قدمی) کے ساتھ مربوط ہے۔ تھڑدِلے، بزدل اور پست ہمت نوجوانوں کی تعداد مراد نہیں، اور دوسرے یہ کہ یہاں جس دشمن کے سامنے کھڑے رہنے کا حکم دیا گیا ہے وہ کم و بیش ویسے ہی آلاتِ حرب استعمال کررہا تھا جو مسلمانوں کے پاس تھے، بدر و اُحد میں دشمن کے پاس تلوار، تیر، نیزے بطور ہتھیار اور گھوڑے، اونٹ برائے باربرداری تھے اور تعداد کے تفاوت سے یہی چیزیں مسلمانوں

کے پاس بھی تھیں۔ اس لئے یہ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ دور میں مسلمانوں کو بھی انہی آلاتِ حرب سے لیس ہونا چاہیے جو دشمنانِ اسلام کے استعمال میں ہیں، البتہ تعداد کی کمی ایمان اور صبر کے ہتھیاروں سے پوری کی جاسکتی ہے کہ جس کا حکم بھی اللہ ہی نے دیا ہے فرمایا:

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلاةِ، إِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِينَ} (البقرہ: ۱۵۳)

''اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو۔ اللہ تعالیٰ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے۔''

غزوۂ موتہ (۸ھ) میں مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی جب کے مقابلے میں قیصر روم کے باج گذار رئیس بلقان کی فوج کی تعداد ایک لاکھ تھی، گویا تفاوت کی نسبت ایک بمقابلہ دس نہیں بلکہ ایک مقابلہ تینتیس ۳۳ تھی۔ پھر بھی مجاہدینِ اسلام نے سرفروشی کی مثالیں قائم کردیں۔ زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگر شہید ہوئے اور پھر خالد بن ولید ؓ کمال دانشمندی سے باقی ماندہ فوج کو واپس لانے میں کامیاب ہوگئے۔ (۱۷)

صرف قوت کی فراہمی پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ایمان اور صبر کے ہتھیاروں کو حرزِ جان بنایا جائے:

{وَلاَ تَهِنُوا وَلاَ تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ}

''تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایماندار ہو'' (آل عمران: ۱۳۹)

اور کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ایک انسان تلوار ہاتھ میں رکھتا ہے، لیکن ذہنی طور پر اتنا بزدل ہے کہ اس کے بازو دشمن کے مقابلہ میں تلوار اُٹھا نہیں پاتے تو ایسی تلوار کس کام کی؟ ایسے ہی مسلمانوں کے پاس جدید سے جدید ٹیکنالوجی موجود ہو لیکن دشمن کی ایک بڑھک ان کے اوسان خطا کردے تو پھر ایسی ٹیکنالوجی کا کیا حاصل؟ بقولِ شاعر:

أسد عكي وفي الحروب نعامة　هيفاء تصفر من صفير الصافر

''(بیوی اپنے شوہر سے مخاطب ہے:) میرے اوپر تو شیر بنا پھرتا ہے لیکن جنگ میں شتر مرغ، کہ ذرا سی آہٹ سے کلیجہ منہ کو آجاتا ہے۔''

ٹیکنالوجی علم سے وابستہ ہے۔ عالم اسلام میں جدید علوم کے حصول کے لئے زیادہ سے زیادہ جامعات قائم ہونی چاہئیں لیکن ان جامعات میں سیرت اور اعجازِ علمی سلیبس کا لازمی جزو ہونا چاہیے تاکہ مادّی علوم کے ساتھ ایمان کو بھی جلا ملتی رہے۔

اعجازِ علمی سے ہماری مراد ہے کہ قرآن و حدیث میں ایسے بہت سے اشارات ملتے ہیں جو سائنسی حقائق کا پتہ دے رہے ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی کے صدر دفتر مکہ مکرمہ میں اعجازِ علمی کا

© rasailojaraid.com

www.KitaboSunnat.com

مستقل شعبہ قائم ہے جس میں اس موضوع پر سیر حاصل کام ہوچکا ہے۔ ان کے اس کام سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ مزید برآں ایسے اساتذہ کا انتخاب ہونا چاہئے جو سائنس کی تعلیم کے ساتھ طلبہ کے سینوں میں ایمان کی مشعلیں بھی فروزاں رکھیں۔

آج ہمارے کتنے عالی دماغ جوہر مغرب میں سائنس کی تعلیم حاصل کررہے ہیں اور کتنے ہی علم کے اعلیٰ مدارج حاصل کرچکے ہیں لیکن دیارِ مغرب کے ملحد ذہنوں سے تربیت پانے کی بنا پر حبِ عاجلہ کا شکار ہیں اور بجائے اوطانِ اسلام کو مضبوط کرنے کے اغیار کی خدمت کررہے ہیں۔ ہمارے کتنے جرنیل مغرب کی عسکری تربیت گاہوں میں ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد معرکہ کفر و ایمان میں اپنی بے اعتقادی، ضعف ایمانی اور کم ہمتی کی بنا پر دشمنوں کے سامنے سپر ڈال چکے ہیں۔ سقوطِ بیت المقدس، سقوطِ ڈھاکہ اور اب سقوطِ بغداد انہی جرنیلوں کی سیہ کاریوں کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوئے۔

۶ صفوں کی شیرازہ بندی اور داخلی اتحاد کی کوشش

اس وقت اُمتِ مسلمہ ستاون ممالک میں سیاسی برتری اور دنیا کے بیشتر ممالک میں اپنا ایک مستقل وجود رکھتی ہے، ہر مسلم ملک ایک اکائی کی حیثیت رکھتا ہے جو دوسری اکائیوں کے ساتھ مل کر ایک عظیم اتحاد کی شکل اختیار کرسکتا ہے، لیکن سب سے پہلے ہر اکائی کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔

ان تمام عوامل کی بیخ کنی لازمی ہے جو ایک وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوں، ان میں سرفہرست برادری ازم، قبائلی عصبیت، علاقائیت، قومیت اور فرقہ واریت ہیں۔ کسی بھی اسلامی ملک کو دیکھ لیجئے، علاقائیت کا عفریت بھائی بھائی کے درمیان نفرت اور عداوت کے بیج بوتا نظر آئے گا۔ صومالیہ میں شمال و جنوب کی کشمکش، پاکستان میں شیعہ و سنی اور صوبائیت پر مبنی تعصّبات کی آویزش، بنگلہ دیش میں سلہٹ اور غیر سلہٹی افراد کے درمیان تفاخر کی کیفیت، عراق میں تمام تر مصائب کے باوجود اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان اور پھر عربوں اور کردوں کے درمیان محاذ آرائی، افغانستان میں پختون، ازبک اور تاجک قوموں کے مابین تنافس جو امریکہ کے حملہ کے وقت کھل کر ظاہر ہوچکا، اس امر کی چند نمایاں مثالیں ہیں۔

نبی ﷺ نے مدینہ میں جو معاشرہ قائم کیا تھا، اس کی بنیاد مہاجرین و انصار کے درمیان

© rasailojaraid.com

اُخوت، محبت اور یگانگت پر رکھی گئی تھی۔ مہاجر اور انصار کے دونوں معزز لقب اپنے اپنے اوصافِ حمیدہ کی بنا پر وحی الٰہی میں جگہ پاگئے :

{وَالسَّابِقُوْنَ الأَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالأَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإحْسَانٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِىْ تَحْتَهَا الأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ} (التوبہ:١٠٠) ''اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور متقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔''

لیکن جب انہی دونوں جماعتوں کے دو افراد ایک کنویں سے پانی نکالنے پر جھگڑ پڑے اور مہاجر نے مہاجرین کی دہائی دی اور انصاری نے انصار کی تو رسول اللہ ﷺ سب کام چھوڑ چھاڑ کر موقع نزاع پر پہنچے اور بانگِ دُہل ارشاد فرمایا: «أبدعوی الجاهلية وأنا بين أظهركم» ''جاہلیت کا نعرہ لگاتے ہو، حالانکہ میں ابھی تمہارے درمیان ہوں۔''[۱۸]

یعنی وہ معزز لقب جو ہجرت اور نصرت کے اعتبار سے انتہائی معزز اور قابل صد افتخار تھا، جب دو جماعتوں کو لڑانے کے لئے استعمال کیا گیا تو جاہلیت کا نعرہ کہلایا گیا، وہ جاہلیت جسے قبل از اسلام کفریہ دور سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

کیا پاکستانی مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ نہیں کہ یہاں بھی صوبائیت اور مہاجرت کے نام پر بھائی بھائی کی گردن کاٹی گئی ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور پھر بھی اللہ کی نصرت کی اُمید کی جاتی ہے!!

عرب ممالک میں قومیت کا نعرہ بڑی شان سے بلند کیا گیا، لیکن یہ نعرہ یہودیوں کی چھوٹی سی ریاست کا مقابلہ کرنے یا اہل فلسطین کو ان کی سرزمین واپس لوٹانے میں عربوں کی کوئی مدد نہیں کرسکا، عرب لیگ آج ایک بے جان لاشہ ہے جو تجہیز و تکفین کا منتظر ہے۔ صدام اور حافظ الاسد کی بعث پارٹی کے نام سے ایک بے خدا تحریک آپس میں جنگ وجدال، قتل و غارت اور سفاکی و درندگی کا ننگا ناچ ناچنے کے بعد خود بھی ڈوبی اور اپنی قوم کو بھی لے ڈوبی۔ کیا اب بھی اس کی باقیاتِ سیئہ سے خیر کی توقع کی جاسکتی ہے؟

© rasailojaraid.com

۵ دین میں تفرقہ بازی سے اجتناب

فرقہ بازی کی تباہ کاریاں ہر کس و ناکس کے سامنے عیاں ہیں۔ کسی بھی خارجی یلغار کے وقت وقتی طور پر مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد دکھائی دیتا ہے، لیکن جونہی سیاہ بادل چھٹتے ہیں، دینی علم سے وابستہ افراد پھر ایک دوسرے کے خلاف چاند ماری شروع کردیتے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کسی اور کے لئے نازل ہوا ہے:

{وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا وَّلاَ تَفَرَّقُوْا} (آل عمران:۱۰۳)

''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو اور پھوٹ نہ ڈالو۔''

{وَأَطِيْعُوْا اللهَ وَرَسُوْلَهُ وَلاَ تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا، إِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ} (الانفال:۴۶)

''اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرماں برداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو، ورنہ بزدل ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی اور صبر کرتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

کیا علما، مشائخ اور طلبہ علم کا یہ فرض نہیں ہے کہ موجودہ پُرآشوب حالات میں اُمت ِمسلمہ کی صفوں میں مزید افتراق پیدا کرنے کے بجائے ایک دوسرے کو قریب کرنے کی کوشش کریں، اس آیت میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ کیا قرآن و حدیث اُن اصولوں کی طرف رہنمائی نہیں کرتے جن سے آپس میں اتحاد پیدا کیا جاسکتا ہے!!

اللہ کے رسولؐ کو کہا گیا کہ اہل کتاب کو چیلنج کیا جائے کہ جس 'کلمہ سوائ' کا اقرار تمہیں بھی ہے اور مسلمانوں کو بھی، اس پر جمع ہوجاؤ تاکہ حق قبول کرنے کے لئے تمہارا سینہ کشادہ ہوسکے، کیا مسلمانوں کے پاس قرآن، احادیث ِصحیحہ اور اُسوۂ حسنہ کی شکل میں اتحاد کی واضح اساسات موجود نہیں کہ صرف اُمت کی بھلائی کی خاطر اپنے مسلکی اختلافات کو اپنے گروہ کی حد تک محدود رکھیں اور ملکی سطح پر اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کریں۔

یقینا موجودہ مجلس عمل ایک انتہائی خوش آئند کوشش ہے لیکن یہ اتحاد صرف بغض ِمعاویہ ؓ کی بنیاد پر نہیں ہونا چاہئے، اس کا مقصد صرف اسلام آباد کے ایوانوں تک پہنچنا نہ ہو، بلکہ اسے اپنی مساجد، اپنے مدارس اور اپنی خانقاہوں تک وسعت دی جائے تاکہ عوام الناس تک اسلام

©rasailojaraid.com

کی اعلیٰ تعلیمات کے عملی مظاہر سامنے آسکیں۔

قرآن و سنت، اُسوۂ رسولؐ اور تعاملِ صحابہ اُمت کا مشترکہ سرمایہ ہیں۔ یہ ہمارے اتحاد اور طاقت کا باعث ہیں۔ اگر مسلمانوں کے تمام فرقے ان اساسات پر جمع نہیں ہوسکتے تو پھر انہیں محکومیت، اغیار کی غلامی، عمومی ذلت اور نکبت سے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ یہودیت اور عیسائیت کی تاریخ کے برعکس اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دین حق پر قائم و دائم رکھنے کے لئے حفظِ قرآن (جس میں سنت بحیثیتِ شرح قرآن بھی شامل ہے) اور وجود طائفہ منصورہ کی شکل میں دو ایسے عوامل رکھے ہیں جو حق کو مٹنے یا دین میں تحریف پیدا ہونے سے مانع ہیں۔ طائفہ منصورہ سے ہماری مراد ہر وہ فرد، گروہ یا جماعت ہے جو اس حدیث کا مصداق ہے:

«لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم حتى يأتي أمر الله وهم كذلک»[19]

''میری اُمت میں برابر ایک گروہ ایسا رہے گا جو غالب رہے گا، حق پر ہو گا، انہیں چھوڑ کر جانے والے انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا۔''

اس حدیث کا ابہام دوسری روایت سے دور ہو جاتا ہے:

«لا تزال طائفة من أمتي يقاتلون على الحق، ظاهرين على من ناواهم حتى يقاتل آخرهم المسيحَ الدجال»[20]

''میری اُمت میں سے ایک گروہ حق پر لڑتا رہے گا، اپنے مخالفین پر غالب رہے گا یہاں تک کہ ان کا آخری فرد (یا مجموعہ) مسیح دجال سے قتال کرے گا۔''

یعنی ایسے لوگ جن کی زبان، قلم اور ہاتھ سے حق کا ظہور رہوتا رہے گا اور وہ کسی بھی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ کئے بغیر حق کا پیغام پہنچاتے رہیں گے، یہاں تک کہ اللہ کے حکم سے یہ دنیا اپنی آخری اجل کو پہنچ جائے گی۔

ایسی جماعت ہر وہ جماعت ہے جو عقیدۂ توحید پر مضبوطی سے قائم ہو، اللہ کے رسولؐ کے لائے ہوئے دین کو من وعن بیان کرنے کی پابند ہو، جس کی صفوں میں تقویٰ اور للّٰہیت کا دور دورہ ہو، جس کی امارت برادری ازم، قبائلیت یا لسانی و صوبائی عصبیت یا خاندانی توارث کے لزوم سے مبرا ہو۔ صرف تقویٰ، صلاحیت اور حسن تدبیر (سیاستِ شرعیہ) کے بل بوتے پر منتخب کی گئی ہو۔ یہ سب نہ ہو تو صرف ادعاء پارسائی، منافقت اور مکاری کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

۸ وسیع پیمانہ پر مسلمانوں کا اتحاد

یہ ذمہ داری ان سیاستدانوں، حکمرانوں، قوموں کی قسمتوں سے کھیلنے والے جرنیلوں، بادشاہوں اور آمروں سے متعلق ہے جو یا تو آئینی طور پر، یا کسی کائناتی حادثہ کے طور پر، یا کسی داخلی یا خارجی طاقت کے اشارہ پر یا ایک تاریخی تسلسل کے طور پر حکومت کا بار اپنے ناتواں کندھوں پر اُٹھائے ہوئے ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد مسلم ممالک کے اعتبار سے ۵۷ بنتی ہے۔

خیال رہے کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ جس نے انگریزوں کے تسلط سے ایک طویل جنگ آزادی کے بعد ۴ جولائی ۱۷۷۶ء کو جنم لیا تھا اور جو ابتدائی تیرہ ریاستوں سے بڑھ کر آج پچاس ریاستوں پر مبنی ایک عظیم الشان ملک ہے، اپنی طاقت کا راز کس چیز میں سمجھتا ہے؟

جواباً عرض ہے کہ پچھلے سال 'مجمع علماء الشریعہ، امریکہ' کے ایک اجلاس میں شرکت کے لئے واشنگٹن جانا ہوا، ہلٹن ہوٹل کی لفٹ میں چند لمحوں کے وقوف کے دوران لفٹ کی مختصر اسکرین پر ایک سطر بار بار فلیش ہو رہی تھی:

''ریاستہائے متحدہ امریکہ کی طاقت کا راز کیا ہے...... اتحاد''

یہ بھی واضح رہے کہ امریکہ میں ایک قوم نہیں بستی ہے، بلکہ قدیم ریڈ انڈین امریکنوں کی قلیل تعداد (جن کی اکثریت کی نسل کشی کی جاچکی ہے) کے علاوہ یورپ کے ہر خطے کے، بلکہ دنیا کے ہر علاقے کے لوگ موجود ہیں۔ انگریزی کے علاوہ جنوب کی ریاستوں میں اسپینش زبان کو بحیثیتِ ثانوی زبان کے لکھا اور بولا جاتا ہے۔ فرانسیسی اور جرمن کا بھی بعض علاقوں میں دور دورہ ہے۔ ایک صدی قبل شمال اور جنوب کی ریاستوں میں غلامی کے مسئلہ پر سخت محاذ آرائی بھی ہوچکی ہے، لیکن ان تمام منفی عوامل کے باوجود بین الریاستی اتحاد نے آج امریکہ کو اس مقام پر پہنچا دیا ہے جہاں وہ کوس **لمن الملک الیوم** بجاتا نظر آتا ہے۔

بیشتر مسلم ممالک کی آزادی کی تاریخ چونکہ پچھلے پچاس ساٹھ سالوں سے متجاوز نہیں، اس لئے ان کا مقابلہ امریکہ جیسی وحدت سے کرنا صحیح نہ ہوگا۔ ہمارے اوپر ماضی کی اس نسل کو ہدیہ تبریک دینا فرض ہے جس نے انتہائی نامساعد حالات میں آزادی کی تحریکات برپا کیں اور پھر یورپ کی استعماری طاقتوں سے قربانی، سرفروشی اور بہادری کی لازوال داستانیں رقم کرنے کے بعد آزادی حاصل کی۔ یہ جدوجہد عوام، علما اور سیاستدانوں کی ملی جلی کوششوں کا نتیجہ تھی

www.KitaboSunnat.com

لیکن جس طرح بنی اسرائیل کا سفینہ سیناء کی چالیس سالہ صحرا نوردی کے بعد جہاد و قتال کے مرحلوں سے گذرتا ہوا جب برامان تک پہنچا تو کچھ عرصہ کے بعد ہی بگاڑ کا شکار ہونا شروع ہو گیا۔ ایسے ہی مسلم ممالک کو یہ آزادی راس نہ آئی اور طالع آزما سیاست کے نتیجہ میں کشتیاں پھر گرداب میں پھنس چکی ہیں اور ساحل کا دور دور تک پتہ نہیں!!

اُمید کی چند کرنیں یقینا جگمگائیں، لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ......!!

✳ ستمبر ۱۹۶۹ء میں شاہ فیصل کی مہمیز اور چند دوسرے دردمند حکمرانوں کے تعاون سے مراکش میں اسلامی ممالک کی تنظیم OIC کا قیام عمل میں لایا گیا۔ مسلم ممالک کے درمیان اتحاد اور رشتہ یگانگت قائم کرنے کی یہ اچھی ابتدا تھی لیکن تینتیس سال گذرنے کے بعد بھی یہ تنظیم اپنی افادیت ثابت نہیں کرسکی ہے۔ سیاسی میدان میں چاہے فلسطین کا مسئلہ ہو یا کشمیر کے سلسلہ میں پاکستان کے موقف کی عملی حمایت، ایران و عراق کی آٹھ سالہ خونی جنگ ہو یا کویت پر عراق کا غاصبانہ قبضہ، کیا یہ تنظیم ان میں سے کسی بھی مسئلہ کو حل کرسکی ہے؟

✳ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں IFSTAD (انٹرنیشنل فاؤنڈیشن فار سائنس اینڈ ٹیکنالوجی) اور COMSTECH (سٹینڈنگ کمیشن فار سائنٹفک اینڈ ٹیکنالوجیکل کوآپریشن) کا قیام نہایت خوش آئند اقدامات تھے، لیکن پہلا ادارہ تو سرے سے سر ہی نہ اُٹھا سکا اور دوسرا ادارہ بھی ایک کاغذی شیر سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

✳ اقتصادی میدان میں IDB (اسلامک ڈویلپمنٹ بنک) اس لئے قائم کیا گیا تھا کہ بلاسود بنکاری کو فروغ دیا جاسکے۔ اس میدان میں یقینا کچھ پیش رفت ہوئی ہے لیکن 'اوآئی سی' کو اپنی بقا کے جواز کے لئے کسی انقلابی اقدام کی ضرورت ہے۔

تنظیم کے پہلے سیکرٹری جنرل ملائیشیا کے تنکو عبدالرحمن نے اس تنظیم کو کھڑا کرنے، اسکی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے اور اس کے ذیلی اداروں کو قائم کرنے میں بہت فعال کردار ادا کیا لیکن مقامِ افسوس ہے کہ ان کے اَخلاف ان کی اعلیٰ روایات کو باقی نہیں رکھ سکے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مہاتیر محمد (سابق وزیراعظم ملائیشیا) نے 'اوآئی سی' کے آخری اجلاس میں اُمت ِمسلمہ کو درپیش جن مسائل کی طرف اشارہ کیا ہے، ان کے حل تلاش کرنے پر سنجیدہ گفتگو کی جاتی لیکن مقامِ افسوس ہے کہ مہاتیر محمد بھی نشست و گفتند و برخاستند سے آگے نہ بڑھ سکے۔ (۲۱)

www.KitaboSunnat.com

کیا مسلمانوں کے لئے یہ مقامِ عبرت نہیں کہ ۱۸۹۷ء میں بازل (سوئٹزرلینڈ) کے مقام پر پہلی صہیونی کانفرنس نے اپنے خفیہ اجلاسوں میں یہودیوں کی عزت و سربلندی کے لئے جو نقشہ پیش کیا تھا، اس پر خاموشی سے عمل ہوتا رہا یہاں تک کہ پچاس سالوں میں کاغذ کا یہ نقشہ زمین کا نقش بن گیا اور پھر اس کا پھیلاؤ ایک حقیقت بنتا جارہا ہے۔ کیا مسلم ممالک کے زیرک اور 'عالی النسب حکمران' مسلمانوں کی عزت و افتخار کے لئے کوئی عملی نقشہ ترتیب دینے سے قاصر ہیں؟ أليس منهم رجل رشيد!!

۹ جہاد بمعنی عمومی جدوجہد

قرآن مجید میں جہاد کا لفظ اُنتیس ۲۹ مرتبہ آیا ہے اور مجاہدین کا چار مرتبہ۔

'جہاد' مقابلے کی جدوجہد کا نام ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ سے ہر وہ کوشش مراد ہے جو اللہ کے دین کو پھیلانے کے لئے، اللہ کے کلمہ توحید کو سربلند کرنے کے لئے، اللہ کے احکامات کو نافذ کرنے کے لئے، اور فتنوں سے اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کے لئے کی جائے۔

✳ اس لفظ کا پہلا اطلاق قرآن کریم کے ذریعے امربالمعروف اور نهي عن المنكر پر ہوتا ہے خواہ اس میں قتال موجود نہ ہو۔ سورۃ الفرقان مکی سورت ہے اور اس میں یہ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے:

{فَلاَتُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيْرًا} (الفرقان:۵۲)

"پس آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور قرآن کے ذریعہ ان سے پوری طاقت سے بڑا جہاد کریں۔"

چونکہ مکہ میں جہاد بمعنی قتال کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اس لئے آنحضور ﷺ کا مکی جہاد کتاب اللہ کی تبلیغ وتنفیذ سے عبارت تھا جسے یہاں جہادِ کبیر کہا گیا ہے۔

✳ بنفس نفیس جہاد (بمعنی قتال) میں شریک ہونے کا جہاں بھی ذکر ہے، وہاں سوائے ایک جگہ کے، مالی جہاد کا ذکر جہاد بالنفس پر مقدم ہے۔ متعلقہ آیات ملاحظہ ہوں:

{لاَ يَسْتَوِيْ الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرَ أُوْلِيْ الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ، فَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا}

"اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مؤمن اور بغیر عذر کے بیٹھ

© rasailojaraid.com

رہنے والے مؤمن برابر نہیں۔ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے ایک درجہ فضیلت دے رکھی ہے اور یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو خوبی اور اچھائی کا وعدہ دیا ہے لیکن مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے۔'' (النسائ:۹۵)

{إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ} (الانفال:۷۲)

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا''

{إِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالاً وَّ جَاهِدُوْا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ} (التوبہ:۴۱)

''نکل کھڑے ہو جاؤ ہلکے پھلکے ہو تو بھی اور بھاری بھر کم ہو تو بھی اور راہِ ربّ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔''

{لاَ يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُوْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ يُّجَاهِدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ} (التوبہ:۴۴)

''اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان و یقین رکھنے والے تو مالی اور جانی جہاد سے رک رہنے کی کبھی تجھ سے اجازت نہیں طلب کریں گے......''

{لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهُ جَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ} (التوبہ:۸۸)

''لیکن خود رسولؐ اور انکے ساتھ ایمان والے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں''

{إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أُوْلٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ} (الحجرات:۱۵)

''مؤمن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر (پکا) ایمان لائیں۔ پھر شک و شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں (اپنے دعوائے ایمان میں) یہی سچے اور راست گو ہیں۔''

{تُوْمِنُوْنَ بِاللهِ وَرَسُوْلِهِ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ} (الصّف:۱۱)

''اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔''

اس تقدیم میں یہ حکمتیں پوشیدہ ہیں:

① ہر معرکہ سے قبل اس کے لئے مناسب تیاری کی ضرورت ہے جس میں مال ایک بڑا کردار

ادا کرتا ہے۔ اس لئے مالی ایثار کا مطالبہ سرفہرست رہتا ہے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سرمایہ فراہم کرنے کی ہی اپیل کی تھی۔ [۴۲]

② مال کی قربانی، اپنی جان قربان کردینے کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت رکھتی ہے اور قاعدہ ہے کہ سب سے اونچی گھاٹی تک پہنچنے کیلئے نچلی گھاٹیوں کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ جو شخص مال کی قربانی کے امتحان میں کامیاب نہ ہوسکا، وہ اس سے برتر امتحان میں کیسے کامیاب ہوگا۔

③ جان کی قربانی کا مرحلہ صرف جہاد (یعنی قتال) کے موقع پر ہی آتا ہے جو ہر زمانہ میں میسر نہیں۔ اس کے برعکس مالی قربانی کا موقع ہر وقت موجود رہتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے جہاد کا ایک دائمی راستہ کھلا رکھا گیا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بہت سی حسنات کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی ارشاد فرمایا: «وما نفعني مال أحد قط ما نفعني مال أبي بكر» [۴۳]

"مجھے کسی کے مال نے اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا ابوبکر کے مال نے۔"

✳ اسلام کے دفاع کے لئے زبان کا جہاد نص رسولؐ سے ثابت ہے۔ بروایت انس بن مالک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«جاهدوا المشركين بأموالكم وأنفسكم وألسنتكم» [۴۴]

"مشرکین سے جہاد کرو اپنے مال سے، اپنی جان سے اور اپنی زبانوں سے۔"

زبانی جہاد میں بلاشبہ قلم بھی شامل ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مسجدِ نبویؐ میں کھڑے ہو کر مشرکین کی ہجو کرنا اسی جہاد کا حصہ تھا جس کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحسین فرمائی۔

ملعون سلمان رشدی اور اس سے قبل رنگیلا رسول جیسی ہفوات کے ردّ میں علماء اسلام کے خطابات، مقالات اور کتب یقیناً اسی جہاد کی کڑیاں ہیں۔

قرآن کی وہ آیت جس میں نفس کا تذکرہ پہلے اور مال کا بعد میں، سورۂ توبہ کی یہ آیت ہے:

{إِنَّ اللهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ، وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيْلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ}

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔ وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں

© rasailojaraid.com

اور قتل کئے جاتے ہیں۔اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے، تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔"(التوبہ:۱۱۱)

اس آیت میں نفس کے ذکر کو پہلے رکھنے میں یہ حکمت ہے کہ یہاں اللہ اور بندے کے درمیان ایک سودے کا ذکر ہورہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قتال فی سبیل اللہ کے عوض جنت کی پیشکش کررہے ہیں۔ ظاہر ہے سودا دو اَطراف کے درمیان ہوتا ہے۔ مال خود تو ایک پارٹی کی حیثیت نہیں رکھتا کہ اس سے سودا کیا جائے۔ یہاں ایک طرف اللہ تعالیٰ ہیں اور دوسری طرف اہل اسلام بنفس نفیس ہیں، اس لئے نفس کا ذکر پہلے کرنا ضروری ہوا۔

۱۰ جہاد بمعنی قتال

دعوت اِلی اللہ کے نتیجہ میں جس جماعتِ حقہ کا ظہور ہوتا ہے اور پھر جب اسے حکومت کی شکل میں خلافت نصیب ہوتی ہے، اس خلافت کی حدود کی حفاظت کرنا اور دشمن کی یلغار کے وقت اس کا دفاع کرنا مسلمان پر فرض ہوجاتا ہے۔ یہ چاہے فرضِ عین ہو جبکہ ہر بالغ اور مستطیع شخص کو امیر وقت کی طرف سے قتال کے لئے بلایا جائے یا فرضِ کفایہ ہو کہ اُمت کے جنگجو افراد کی ایک معقول تعداد دشمن کے مقابلہ کے لئے کافی ہو، دونوں صورتوں میں یہ جہاد قیامت تک قائم و دائم رہنے والا ہے:

«الجهاد ماض منذ بعثني الله إلى أن يقاتل آخر أمتي الدجال, لايبطله جور جائر و لا عدل عادل»[۴۵]

"جب سے اللہ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے، جہاد جاری رہے گا یہاں تک کہ میری اُمت کا آخری حصہ دجال سے لڑائی کرے گا، اس جہاد کو نہ کسی ظالم حکمران کا ظلم منسوخ کرسکتا ہے اور نہ کسی عادل حکمران کا انصاف ہی اسے منسوخ کرسکے گا۔"

بعض دفعہ کسی عظیم منکر (جیسے ایک طاغوتی اور ظالمانہ حکومت) کو ختم کرنے کے لئے بھی جہاد اپنی سرحدوں کی حفاظت تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ دعوتِ اسلام کے پھیلنے میں حائل رکاوٹوں کا مٹانا جسے قرآن کی زبان میں فتنہ کہا جاتا ہے، بھی اسی جہاد کا ایک حصہ ہے:

{يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً}

www.KitaboSunnat.com

''اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہئے۔'' (التوبہ:۱۲۳)

بے کس اور مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لئے نکلنا بھی واجب ہے:

{وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا} (النسائ:۷۵)

''بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتواں مردوں، عورتوں اور ننھے بچوں کے چھٹکارے کے لئے جہاد نہ کرو؟ جو یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لئے خود اپنے پاس سے حمایتی مقرر کردے اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا۔''

{وَإِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلاَّ عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيْثَاقٌ}

''اور اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے، سوائے ان لوگوں کے کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے۔'' (الانفال:۷۲)

فتحِ مکہ کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کے حلیف بنی خزاعہ نے، قریش کے حلیف بنو بکر کی چیرہ دستیوں اور معاہدۂ صلح حدیبیہ کی خلاف ورزیوں کے باعث آنحضور ﷺ سے دادرسی چاہی تھی۔

واضح رہے کہ ملک کا دفاع کرنا تو مسلم و غیر مسلم سب جانتے ہیں۔ اس لئے دفاعی جہاد کے بارے میں تو سرے سے کوئی غلط فہمی ہونی ہی نہیں چاہئے، البتہ ایک مسلم حکومت اتنی طاقتور ہونی چاہئے کہ مظلوم مسلمانوں پر ظلم، تعدی، جبر واستبداد ہوتا دیکھتے ہوئے ان کی مدد کو آسکے۔ اس زمانہ میں فلسطین، کشمیر، بوسنیا اور چیچنیا کی مثالیں آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔

کیا یہ مقامِ افسوس نہیں کہ آج کل ایک سپر پاور صرف اقتصادی فوائد، سیاسی و عسکری برتری حاصل کرنے اور صہیونی ریاست کو تحفظ دینے کے لئے ہزاروں میل دور سے مسلم ممالک پر یکے بعد دیگرے شبخون مار رہی ہے اور عالم اسلام ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم کی تصویر بنا ہوا ہے۔ ہمارے حکمران اور بہت سے اہل علم معذرت خواہانہ انداز اپناتے ہوئے صرف یہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں کہ اسلام صرف صلح وآشتی کا مذہب ہے، اسے لڑائی بھڑائی سے کیا سروکار!!

© rasailojaraid.com

یقیناً اسلام اصلاً امن، صلح اور امان لے کر آیا ہے، لیکن اگر عصر حاضر کے جابر حکمران انصاف کی جگہ ظلم کا ساتھ دیں، نہتے لوگوں پر بم برسائیں اور ان کی بستیاں جلا کر خاک کردیں، ایک جگہ کے باشندوں سے اس کا وطن چھین کر دوسرے لوگوں کو بخش دیں۔ شریعت کے نفاذ میں تعطل پیدا کرنے کے لئے طاقت اور دباؤ سے کام لیں، بے گناہ اشخاص کو بغیر کسی عدالتی فیصلہ/محاکمہ کے اذیت گاہوں میں قید کردیں تو اسلام کے نام لیواؤں کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے تصورِ جہاد و قتال کو بھی نظریاتی اور عملی، دونوں طرح لوگوں پر واضح کردیں۔ اس ضمن میں سیرتِ نبویہؐ سے ہمیں یہ ہدایات ملتی ہیں:

① جہاد کے لئے ہمیشہ اپنے آپ کو تیار رکھا جائے جس کا تذکرہ سورۃ الانفال کے ضمن میں آچکا ہے۔

② جہاد کے لئے اپنے امیر کا ساتھ دیا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بروایت ِابوہریرۃؓ ارشاد فرمایا: «الجهاد واجب عليكم مع كل أمير برا كان أو فاجرا»[۴۶]

''جہاد تمہارے اوپر واجب ہے، ہر امیر کے ساتھ، چاہے وہ نیک ہو یا گناہگار''

اور اس سے یہ اُصولی بات بھی طے ہو گئی کہ ایسے امیر کا انتخاب کیا جائے جو جہاد کا قائل ہو، اور اگر وہ سرے سے جہاد کا قائل ہی نہ ہو تو وہ جہاد کی طرف کیسے بلائے گا اور کیوں بلائے گا؟

③ دشمن کے مقابلہ کے وقت دعا مؤمن کا ہتھیار ہے، لیکن یہ دعا اس وقت پر تاثیر ہو گی جب مجاہدین واقعی جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ بدر کے میدان میں اپنے تین سو ۳۱۳ تیرہ جاں نثاروں کو لے آنے کے بعد ساری رات اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعائیں کرتے رہے۔ آپؐ نے یہاں تک کہہ دیا کہ

«اللهم أنجز لي ما وعدتني، اللهم آتني ما وعدتني، اللهم إن تهلك هذه العصابة من أهل الإسلام لا تعبد في الأرض»[۴۷]

''اے اللہ! جو وعدہ کیا ہے پورا کر، اے اللہ! مجھے وہ دے جس کا تو نے وعدہ کیا ہے، اے اللہ! اگر اہل اسلام کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین میں پھر تیری عبادت نہ ہو گی۔''

البتہ اگر کہیں جہاد جاری ہو تو اس میں مال کے ساتھ بدرجہ اولیٰ اور دعا کے ساتھ بدرجہ اتم شامل رہنا چاہئے۔ نوازل کے وقت قنوتِ نازلہ کی پابندی اسی ذیل میں آتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

ایک مشہور محدث یحییٰ بن معاذ الرازی نے ایک دن جہاد، أمر بالمعروف والنهی عن المنکر کے بارے میں وعظ کیا تو ایک عورت نے ان سے کہا: ''یہ ایسا فرض ہے جو ہم عورتوں سے ساقط کردیا گیا ہے۔'' انہوں نے کہا: ''مان لیا کہ تم سے ہاتھ اور زبان کا ہتھیار ساقط کردیا گیا، لیکن دل کا ہتھیار تو ساقط نہیں کیا گیا۔'' تو اس عورت نے کہا: ''تم نے صحیح کہا: اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔''[۲۸]

اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی اس سنتِ ثابتہ کا تذکرہ مناسب ہوگا جس سے مسلمان کی عارضی ہزیمت کی حکمت عیاں ہوتی ہے۔

پہلے اس بات کا ذکر آچکا ہے کہ مصائب کا نزول چاہے وہ آسمانی حوادث ہوں یا جنگ وجدال کی صورت میں جانی و مالی نقصان، مسلمانوں کے اپنے گناہوں کی پاداش میں نازل ہوتے ہیں، لیکن اس نقصان و ہزیمت کے وقت اہل ایمان اور اہل کفر و نفاق کے درمیان تمیز بھی ہوجاتی ہے۔ شکست کے اسباب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اوامر کی نافرمانی، اپنوں کی بے وفائی اور غداری، جنگی چالوں میں بے بصیرتی اور تھڑدِلی، آلاتِ حرب کی کمی وغیرہ کئی عوامل کا دخل ہوسکتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ صابرین اور منافقین میں بھی امتیاز قائم ہوجاتا ہے، تاکہ آئندہ کا تدارک کیا جاسکے اور صفوں کو مضبوط بنایا جاسکے۔

غزوۂ اُحد کے موقع پر عارضی ہزیمت کے ضمن میں اس سنت کا بیان ہوا:

{إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتِلْكَ الأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ، وَاللهُ لاَ يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ}

''اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمہارے مخالف لوگ بھی تو ایسے ہی زخمی ہوچکے ہیں۔ ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ شکست اُحد) اس لئے تھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہر کردے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔'' (آل عمران: ۱۴۰)

{وَلِيُمَحِّصَ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِيْنَ} (آل عمران: ۱۴۱)

''(یہ وجہ بھی تھی) کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بالکل الگ کردے اور کافروں کو مٹادے۔''

{أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ} (آل عمران: ۱۴۲)

''کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر

نہیں کیا کہ تم میں جہاد کرنے والے کون ہیں، اور صبر کرنے والے کون ہیں۔''

غزوۂ اُحد کی اس عارضی ہزیمت سے لے کر اگر ایک لمبی جست لگائی جائے اور پچھلی دو صدیوں کے ان معرکوں کا جائزہ لیا جائے جس میں ایک اچھی بھلی مسلمان قیادت کے ہوتے ہوئے بھی ہزیمت کے چرکے اُٹھانا پڑے، جیسے ٹیپو سلطان اور معرکہ سرنگا پٹم (۱۷۹۹ئ)، سراج الدولہ اور جنگ ِپلاسی (۱۷۵۷ئ)، شہیدین کا معرکہ بالا کوٹ (۱۸۳۶ئ)، متحدہ پاکستان کے دور میں سقوطِ ڈھاکہ (۱۹۷۱ئ)، سقوطِ بیت المقدس (۱۹۶۷ئ) توان میں مذکورہ بالا عوامل میں سے کسی ایک کا یا ایک سے زائد کا دخل دکھائی دے گا۔

عقل مندی کا تقاضا ہے کہ اُمت ِمسلمہ منفی عوامل کا سدِباب کرے اور ان مثبت عوامل کو اپنائے جو اس کے لئے عزت وافتخار کا باعث ہوسکتے ہیں۔

اورآخر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گوہوں کہ اگر اس تحریر کا راقم کہیں بھی لغزش کا شکار ہوا ہے تو اسے اپنے عفو ودرگزر سے ڈھانپ لے اور اگر حق وسچائی کی بات کی ہے تو اسے قبولیت سے نوازے۔ **وصلی اللہ تعالیٰ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین**

---

① بروایت عائشہؓ: احمد، مسلم، ابوداود ② بروایت نعمان بن بشیرؓ: احمد، بخاری، ترمذی

③ بروایت ثوبانؓ: ابوداود ④ بروایت ثوبانؓ: مسلم، ترمذی، ابوداود

⑤ اضافات بروایت ثوبانؓ: احمد، ابن ماجہ، حاکم ⑥ بروایت ابی بن کعبؓ: احمد، ابن حبان، حاکم، بیہقی

⑦ ابن کثیر: البدایۃ والنہایۃ ۴:۳۴۵ ⑧ بروایت ابوامامہ: احمد، ابوداود

⑨ بروایت معاذؓ بن جبل: عقیلی، ابن عدی، طبرانی، ابونعیم، بیہقی ⑫ ابن کثیر: البدایہ والنہایۃ ۵:۴۱

⑩ بروایت عمرؓ بن الخطاب: مالک، احمد، بخاری، مسلم ابوداود، ترمذی ⑬ بروایت علیؓ: مسلم، نسائی

⑪ بروایت عائشہؓ: احمد، بخاری، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ

⑭ عبدالرحمن ناصر سعدی: تفسیر بعنوان تیسیرالکریم الرحمن۔ ص۱۴۳۱ ⑮ مسلم، ترمذی، ابوداود

⑯ بروایت ابوہریرۃ: بخاری، ابوداود، نسائی ⑰ ابن کثیر: البدایۃ والنہایۃ ۴:۲۸۱

⑱ ابن کثیر: التفسیر ۲:۴۷ ⑲ بروایت ثوبانؓ: مسلم، ترمذی، ابن ماجہ

⑳ بروایت عمران بن حصینؓ: احمد، ابوداود، حاکم ㉓ بروایت ابوہریرۃ: ترمذی

㉑ انگریزی جریدہ Impact عدد ۱۱، ۱۲ جلد ۳۳، نومبر دسمبر ۲۰۰۳ئ ㉔ ابوداود، نسائی

㉒ بروایت ابوموسیٰ الاشعریؓ: بخاری، مسلم ㉕ بروایت انسؓ: ابوداود

㉖ بروایت ابوہریرۃ: ابوداود۔ یہ روایت ضعیف ہے، لیکن پچھلی حدیث (بروایت انس) اس کی شاہد ہے۔

㉗ مسلم، ترمذی ㉘ مجلہ البیان (لندن)۔ سال ۲۰۰۳ء کے اعداد

© rasailojaraid.com